اجتماعی تقویٰ

خرم مرادؒ

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

تقویٰ اور پرہیزگاری ایسی صفت ہے جس کو اختیار کیے بغیر ایک مومن کو اپنی عبادتوں میں وہ لذت اور سرور حاصل نہیں ہوسکتا جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ اس کا تعلق دل سے ہے جس کی کیفیت و کمیت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی کو متقی و پرہیزگار سمجھنے کے لیے ہمارے پاس کوئی پیمانہ ہے بھی نہیں۔

تقویٰ کی اہمیت اور ہماری زندگی میں اس کا کیا مقام ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے اگلوں اور پچھلوں کو بھی یہ ہدایت دے چکا ہے اور یہ خوبی پیدا ہوجانے کے بعد خوشخبری بھی دی گئی ہے۔ چناں چہ سورۂ یونس کی آیات ۶۲ تا ۶۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''سنو، اللہ کے دوست ہیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے تقویٰ کا رویہ اختیار کیا، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ متقین کے لیے دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں میں بشارت ہی بشارت ہے۔'' تقویٰ کے بہت سے مظاہر اور صفات بیان کیے گئے ہیں جو ایک طرح سے ہمارے لیے تربیتی کورس ہیں۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا، غصہ پی جانا، اور اپنے گناہوں پر نادم و پشیماں ہونا، ایسے اعمال ہیں جن سے یقیناً تقویٰ پیدا ہوگا۔

پیش نظر کتابچہ میں خرم مرادؒ نے اجتماعی تقویٰ پر گفتگو کی ہے۔ تقوے کا تعلق چوں کہ

اجتماعی زندگی سے متعلق ہے لہٰذا انھوں نے اس کی اہمیت اور تقاضے بیان کیے ہیں۔ اس کے لیے انھوں نے کچھ اصول بھی گنائے ہیں جو اس طرح ہیں۔ مثلاً کسی کو ایذا نہ پہنچانا، ظلم و زیادتی سے اجتناب، انسانی جانوں کا احترام اور عزت و آبرو کا تحفظ وغیرہ۔

یہ کتابچہ 'منشورات' کے شکریہ کے ساتھ عام افادہ کے پیش نظر شائع کیا گیا ہے۔ اس کے مطالعے سے یقیناً ہمارے اندر تقوے اور پرہیزگاری کی صفت پیدا ہوگی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے اور تقویٰ کی کیفیت سے مالا مال کرے۔

ناشر

اجتماعی تقویٰ

تقویٰ سوچ اور عمل کی وہ روش ہے، جو دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔

اللہ کی کتاب اور جو کچھ اللہ کے رسولؐ نے کہا ہے اور ہدایت دی ہے اس کا مقصد بھی تقویٰ پیدا کرنا اور متقی بنانا ہے۔ قرآن مجید ان کے لیے کتابِ ہدایت ہے، جو اپنے اندر تقویٰ کی صفت رکھتے ہوں۔ اس کے ایک معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ اس کی ہدایت حاصل کرنے کے لیے، اس کی راہ پر چلنے کے لیے، تقویٰ ضروری اور ناگزیر ہے۔ ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ کتاب اصل میں متقی بنانے کے لیے نازل ہوئی ہے۔

تقویٰ

تقویٰ کو ہم سب جانتے اور پہچانتے ہیں اور مختلف طریقوں سے اس کا تصور اور تاریخ ہمارے درمیان موجود ہے۔ یہ عربی کے جس لفظ (وقایة) سے نکلا ہے اس کے معنی 'بچنے' کے ہیں۔ اسی سے تقویٰ کا لفظ نکلا ہے اور تقویٰ کے لغوی اور اصطلاحی معنی یہ ہوں گے کہ اپنے آپ کو بچالو۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں کسی بھی نقصان دہ اور ضرر رساں چیز سے بچنا، ودیعت کیا ہے۔ جو چیز بھی ہمیں نقصان پہنچاتی ہو، اس سے ہم بچنا چاہتے ہیں اور بچنے کی کوشش

کرتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو ہماری پوری زندگی کا تانا بانا انھی دو چیزوں سے بُنا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ اپنے آپ کو ان چیزوں سے بچائیں جن کو ہم اپنے لیے نقصان دہ سمجھتے ہوں، اور دوسرے یہ کہ ان چیزوں کو حاصل کیا جائے جن میں ہم اپنے لیے نفع اور فائدہ دیکھتے ہوں۔ نفع اور نقصان کا پیمانہ مختلف ہوسکتا ہے لیکن مومن ہو یا کافر، انسان کی فطرت میں یہی دو جذبات موجزن رہتے ہیں، اور زندگی کی ساری سوچ اور سارا عمل ان ہی دو چیزوں سے متعین ہوتا ہے۔ جس چیز سے جان و مال اور عزت و آبرو کو نقصان پہنچتا ہو، آدمی اس کے خلاف دفاع کرتا ہے اور اپنے آپ کو بچاتا ہے، اور جہاں بھی وہ نفع دیکھتا ہے___ پڑھنے لکھنے میں، کیریئر بنانے میں، تجارت میں، دوسروں پر اپنا حکم جتانے اور اپنی عزت بنانے میں___ اس کے لیے وہ کام کرتا ہے۔

ایک لحاظ سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ تقویٰ دراصل ایک منفی صفت ہے، جو اپنے آپ کو ان چیزوں سے بچانے کا نام ہے جو نقصان پہنچانے والی ہوں۔ جب آدمی اپنے منصوبے کو ہر اس چیز سے بچالے جو اس کو نقصان پہنچانے والی ہو، تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کا منصوبہ کامیاب ہوگیا۔ اگر کسان بیج ڈال کر اپنی کھیتی کو ہر اس آفت سے بچالے جو کھیتی کو نقصان پہنچاسکتی ہو تو کھیتی لہلہا اٹھے گی اور فصل بھی دے گی۔ اس لحاظ سے تقویٰ دراصل اپنی پوری زندگی کو اچھے اعمال سے بھر دینے کا نام بھی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اچھے اعمال کو اختیار کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ کم سے کم آدمی ان چیزوں سے رک جائے، جو نقصان پہنچانے والی ہوں۔

لغوی معنوں کے لحاظ سے دین میں تقویٰ کا تصور اس لحاظ سے وسیع اور جامع ہے کہ اس میں ان چیزوں سے بچنا پیش نظر ہے جو زندگی کے مقصد کے خلاف ہوں۔ اگر زندگی کا مقصد اللہ کی بندگی اور اس کی رضا و جنت کی طلب ہے تو ہر وہ کام اور ہر وہ بات جس سے اس راہ میں رکاوٹ پڑتی ہو، جس سے یہ منزل کھوٹی ہوتی ہو، جس چیز سے اس منصوبے کو اور زندگی کے اس مشن اور کیریئر کو کہ آخرت بنے، اللہ کی رضا حاصل ہو اور وہ خوش ہوجائے، نقصان پہنچتا ہو، اس سے بچنا دراصل تقویٰ ہے۔ اسی لیے تقویٰ کا اظہار اگرچہ پوری زندگی میں ہوتا ہے لیکن فی الواقع اس کی جڑ انسان کے دل میں ہوتی ہے۔ دل میں اگر خدا کی بندگی، اس کی محبت، اس کی جنت کی

طلب، اس کی آگ کا احساس اور اس سے بچنے کی تڑپ موجود ہو تو پھر وہ استعداد، صلاحیت اور قوت پیدا ہوتی ہے جس سے ہم اپنے آپ کو ان چیزوں سے روک سکتے ہیں جو اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تقویٰ تو دراصل دل کا تقویٰ ہے۔ جو لوگ اللہ کے رسولؐ کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، ان کے بارے میں فرمایا: أُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی ط (الحجرات: ۳) ''درحقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے۔''

نبی کریمؐ کا بھی ایک ارشاد ہے، ایک طویل حدیث میں، جس میں آپؐ نے ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے حقوق شمار کرائے ہیں اور پھر آپؐ نے فرمایا: التقویٰ ھاھُنا، 'تقویٰ یہاں ہے'۔ تین مرتبہ آپؐ نے اپنے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا کہ تقویٰ دراصل یہاں ہے۔

تقویٰ کے اس جامع تصور کی اصل بنیاد دل کی اس کیفیت کا نام ہے کہ اللہ موجود ہے اور کوئی کام ایسا نہیں ہونا چاہیے جو اس کو ناراض کرنے والا ہو۔ ہر وقت یہ دھیان لگا رہے اور خیال رہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ اگر کبھی اس سے غفلت ہو جائے جو زندگی میں بالکل ممکن ہے، تو پھر لوٹ کر اسی کی طرف آجائے۔ جیسے ہی ہوش آئے، تنبیہ ہو یا خیال آجائے کہ میں کوئی ایسا کام کر گزرا ہوں جو اس کی مرضی کے خلاف تھا، تو وہ فوراً پلٹ آئے، یہ بھی تقویٰ میں سے ہے۔ تقویٰ کی صفت یہ نہیں ہے کہ آدمی کبھی کوئی غلطی ہی نہ کرے، بلکہ تقویٰ یہ ہے کہ اگر کبھی غلطی ہو جائے تو وہ لوٹ کر واپس اپنی اصل کی طرف آجائے۔ بدقسمتی سے یہ بنیاد نگاہوں سے محو ہو گئی اور تقویٰ کا یہ تصور جو پوری زندگی پر حاوی ہے، آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا اور بالآخر چند ظاہری مراسم تک محدود ہو گیا۔ وضع قطع، اٹھنا بیٹھنا، آداب، بس ان تک تقویٰ کا تصور محدود ہو کر رہ گیا۔

اجتماعی تقویٰ

ہم نے اس موضوع میں ''اجتماعی تقویٰ'' کے لفظ کو اختیار کیا ہے مگر یہ لفظ قرآن وسنت میں نہیں پایا جاتا۔ اس لحاظ سے یہ ایک نیا لفظ ہے، اور نیا لفظ اختیار کرنے کی کوئی نہ کوئی غرض

ہونی چاہیے۔ اس کی غرض یہ ہے کہ تقویٰ کی زندگی کا وہ دائرہ جو اجتماعیت سے تعلق رکھتا ہے ہم اس کے بارے میں کچھ گفتگو کریں۔ اس لیے کہ یہ ایک ایسا دائرہ ہے، جو عموماً نگاہوں سے محو ہو چکا ہے اور تقویٰ کے حدود سے بھی باہر نکل چکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حرام و حلال کا تصور بہت محدود ہو گیا ہے۔ ہم جب حرام اور حلال کا لفظ بولتے ہیں تو حرام کے ساتھ ہمارے ذہن میں سود، شراب، زنا اور مالِ حرام، اس قسم کی چیزیں تو آتی ہیں لیکن ذہن میں یہ بات بہت کم آتی ہے کہ معاملات میں، اور انسانوں کے ساتھ تعلقات میں، اور حقوق و فرائض کی ادائیگی میں بھی بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جو حرام ہیں اور بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جو نماز اور زکوٰۃ کی طرح فرض کی گئی ہیں۔ خون بہانا، کسی کا حق مارنا، حسد کرنا، یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ غیبت کرنا بھی حرام ہے۔ مردار کھانا یقیناً حرام ہے، اس لیے کہ قرآن نے کہا ہے کہ یہ حرام ہے۔ اسی طرح سور کا گوشت بھی حرام ہے لیکن غیبت کرنا بھی مردار گوشت کھانے کے برابر ہے، اس لیے وہ بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح دیگر چیزیں حرام ہیں۔ لیکن شراب کا جام دیکھ کر تو ہمارے اندر ایک کراہت اور تنفر کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور کوئی مسلمان یہ نہیں سوچ سکتا کہ وہ شراب کے جام کو ہاتھ لگائے یا سور کا گوشت کھائے یا وہ کوئی اور اس قسم کی بات کرے، اس لیے کہ یہ حرام ہیں، ان کو حدیث میں بھی حرام ٹھہرایا گیا اور قرآن میں بھی حرام کیا گیا ہے، لیکن ہم غیبت کو اس طرح سے حرام نہیں سمجھتے ہیں۔

درحقیقت اگر قرآن یہ کہہ دے کہ یہ مت کرو تو وہ چیز حرام ہو جاتی ہے۔ سود کے بارے میں اس نے یہ کہا ہے کہ سود مت کھاؤ، تو سود حرام ہو گیا۔ شراب کے بارے میں کہا گیا کہ شراب کے قریب مت جاؤ تو شراب حرام ہو گئی۔ زنا کے بارے میں اس نے کہا کہ زنا کے قریب مت جاؤ تو زنا حرام ہو گئی۔ اسی طرح اس نے کہا کہ تجسس مت کرو، بدگمانی مت کرو، غیبت مت کرو، کسی کا تمسخر مت اڑاؤ، برے القاب سے مت پکارو، اور گالیاں نہ دو، یہ سارے کے سارے احکام بھی ویسے ہی احکام ہیں، جس طرح قرآن میں نماز پڑھنے کا حکم ہے، زکوٰۃ دینے کا حکم ہے، چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے، شراب سے رک جانے کا حکم ہے اور سود نہ کھانے کا حکم ہے۔ ان کے درمیان قرآن مجید نے کوئی فرق نہیں کیا ہے، لیکن چونکہ یہ مشکل کام ہیں اس لیے آہستہ آہستہ یہ

تقویٰ کی تعریف سے بلکہ حرام چیزوں کی تعریف سے بھی خارج ہوتے گئے اور آج کا ایک مسلمان جو اللہ کے دین کی پابندی کر رہا ہو وہ یہ تو نہیں سوچتا کہ میں شراب پی لوں، یا سور کا گوشت کھالوں مگر اس کو غیبت کرنے میں، جھوٹ بولنے میں، کسی کا حق مارنے میں، کسی کے ساتھ بدعہدی کرنے میں اور کسی کے ساتھ برا سلوک کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتی۔ ان گناہوں کے ارتکاب پر اس کے ضمیر میں معمولی سی خلش بھی پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے اندر سے نفرت کی کوئی لہر اس طرح سے نہیں اٹھتی جس طرح کہ اور حرام چیزوں کے بارے میں ہوتی ہے۔ چونکہ تقویٰ کا یہ پہلو اجتماعی زندگی سے متعلق ہے، اس لیے ہم نے 'اجتماعی تقویٰ' کی اصطلاح وضع کر کے اس کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کی جتنی بھی اس نے تعریفیں کی ہیں ان کے اندر یہی پہلو سب سے اہم اور نمایاں ہے، جس کو اس نے ہمارے سامنے رکھا ہے۔ سورۃ البقرہ کی یہ مشہور آیت کہ:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ...
وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۝ (البقرہ:۱۷۷)

''نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یومِ آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔ اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں، اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔''

قرآن مجید نے جہاں جہاں بھی احکام کا ذکر کیا ہے، نکاح و طلاق کے احکام ہوں یا وراثت کے، یا اجتماعی زندگی سے متعلق، وہاں یہی کہا کہ اللہ کے رسولؐ سے اپنے آپ کو آگے نہ بڑھاؤ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ''اللہ سے تقویٰ اختیار کرو۔'' اپنی آوازوں کو اونچا نہ کرو، یہ بھی تقویٰ کی نشانی

ہے۔ مجلس میں کہا جائے کہ پھیل جاؤ تو پھیل جاؤ، اور اگر کہا جائے کہ سکڑ جاؤ تو سکڑ جاؤ۔ جب کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جاؤ، یہ بھی بڑی نیکی ہے۔ یہ معمولی نیکیاں نہیں ہیں۔ یہ بھی اجتماعی اخلاق سے تعلق رکھتی ہیں۔ پھر وہ حکمراں جو دوسروں پر جبر واستبداد کرتے ہیں ان کے لیے بھی یہی بات کہی گئی ہے کہ یہ بہت بڑا ظلم ہے اور اس کے خلاف بھی قرآن مجید نے ساری باتیں کھول کے بیان کی ہیں۔ اللہ کے جو نبی بھی آئے، انھوں نے جہاں اس بات کی دعوت دی کہ اللہ کی بندگی کرو کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے وہاں قرآن مجید نے ایک تواتر سے ہر نبی کی یہ دعوت بھی نقل کی ہے کہ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ٥ (اٰل عمران: ۵۰) ''اللہ سے تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔'' گویا اس کتاب سے مستفید ہونے کے لیے تقویٰ لازمی اور ناگزیر ہے۔

اجتماعی تقویٰ کی اہمیت

اجتماعیت کے مختلف پہلو الگ الگ شمار کیے جاسکتے ہیں۔ اجتماعیت کا ایک پہلو آدمی اور آدمی کے درمیان تعلقات اور معاملات ہیں، اور اگر غور کیا جائے تو یہ ایک ایسا دائرہ ہے جس کی حدود میں زندگی کا بیشتر حصہ آجاتا ہے۔ ماں باپ، بھائی بہن، دوست احباب، محلے والے، کاروبار کے ساتھی، سب اس کے اندر آجاتے ہیں۔ ایک دوسرا پہلو وہ تعلق ہے جو اجتماعیت سے آدمی کا قائم ہوتا ہے۔ اپنے ذمہ داروں سے تعلق خواہ وہ حکمراں ہو یا کسی کمپنی کا مالک، یا کسی تنظیم کا سربراہ، جو بھی ذمے داران ہوں، ان کے اپنے سے نیچے والوں سے تعلقات ہوں یا نیچے والوں کے اوپر والوں سے تعلقات یا ایک پوری اجتماعیت سے آدمی کے تعلقات ہوں... یہ سب کے سب اجتماعی تقویٰ کے دائرے میں آتے ہیں۔ یہی دراصل وہ اجتماعی تقویٰ ہے، جو اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہی اور مسئولیت کے لیے سب سے زیادہ نازک مقام ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے اور اسے حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اعمال تین رجسٹروں کی شکل میں پیش ہوں گے۔ ایک اعمال کا رجسٹر وہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ ہرگز معاف نہیں کرے گا، ایک اعمال کا رجسٹر وہ ہوگا جس کی اسے کوئی پروا نہیں ہوگی،

اور ایک اعمال کا رجسٹر وہ ہو گا جس کا حساب لیے بغیر وہ نہیں چھوڑے گا۔ پہلا رجسٹر شرک سے متعلق ہے۔ شرک کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ دوسرے رجسٹر میں وہ چیزیں ہیں جو آدمی نے اپنے نفس کے اوپر ظلم کیے۔ اس کا تعلق اس کی ذات سے ہے یا اللہ سے، مثلاً نماز چھوٹ گئی، یا اس میں کوتاہی ہوگئی، یا روزے میں کوئی کوتاہی ہوگئی۔ یہ وہ اعمال ہیں جن کی اللہ کو کوئی پروانہیں ہوگی۔ یہ بھی آدمی کی بھلائی کے لیے ہیں۔ اگر وہ چاہے گا تو معاف کر دے گا اور اگر چاہے گا تو اس پر حساب لے لے گا۔ لیکن جو تیسرا رجسٹر ہے، یہ ان معاملات کا ہے جو انسان اور انسان کے درمیان ہیں اور یہی دراصل اجتماعی معاملات ہیں۔ یہی وہ رجسٹر ہے، جس کا حساب لیے بغیر وہ ہرگز نہیں چھوڑے گا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی تقویٰ کا معاملہ سب سے نازک معاملہ ہے، دنیا میں بھی اور آخرت کی نجات کے لیے بھی۔

نبی کریمؐ نے مختلف انداز میں اپنے صحابہ کے ذوق اور ان کے مزاج کے پیش نظر ان کی سوچ کی تعمیر اس طرح کی کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ انسان اور انسان کے درمیان معاملات دراصل تقویٰ کا وہ دائرہ ہے جس میں ان کو سب سے زیادہ ہوشیار رہنے اور سب سے زیادہ اپنی خبر گیری کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ اس لیے کہ اس کا مداوا نہیں ہوسکتا، نہ عبادات ہوسکتی ہیں اور نہ کوئی دوسری نیکیاں۔ چنانچہ آپؐ نے ایک دفعہ ایک بہت ہی خوب صورت مثال کے ذریعے اپنے اصحاب سے یہ پوچھا کہ جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے کہا کہ مفلس تو ہم اس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ اور دنیا کا مال ومتاع نہ ہو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز، روزہ اور صدقات کی بہت ساری نیکیاں لے کر آئے گا لیکن اس حال میں آئے گا کہ کسی کو گالی دی ہوگی، کسی کے اوپر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کا مال کھایا ہوگا اور کسی کا حق مارا ہوگا۔ سارے دعوے دار وہاں پر کھڑے ہوجائیں گے، ان کے دعوؤں کا تصفیہ کیا جائے گا اور قصاص دلوایا جائے گا۔ اس کے بعد اس کی نیکیاں لے کر ان لوگوں میں تقسیم کر دی جائیں گی۔ آپؐ نے پورا منظر کھینچ کر دکھا دیا کہ اس دعوے دار کو نیکیاں دے دی جائیں گی، اس لیے کہ وہاں سوائے نیک اعمال کے کوئی اور کرنسی نہیں ہوگی کہ جس کے تحت آدمی کے اعمال کا

فیصلہ ہو۔ جب اس کی تمام نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو دعوے داروں کی برائیاں اور گناہ لے کر اس کے سر پر ڈال دیے جائیں گے اور بالآخر وہ آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

ایک اور حدیث میں آپؐ نے اسی بات کو مزید موثر انداز میں یوں بیان فرمایا کہ آدمی جب اپنے اعمال نامے پر نگاہ ڈالے گا اور نیکیاں دیکھے گا تو سمجھے گا کہ میں تو نجات پا گیا یہاں تک کہ دعوے دار کھڑے ہو جائیں گے۔ جب دعوے دار دعویٰ کرنا شروع کر دیں گے اور ایک ایک دعوے کا تصفیہ کیا جائے گا اور فیصلہ صادر ہوگا تو آخر میں معلوم ہوگا کہ نیکیوں کا سارے کا سارا ذخیرہ تو دوسروں کی نذر ہو گیا اور اپنے پاس کچھ بھی نہیں رہا کہ جس پر آخرت میں نجات کا سامان ہو۔ لہٰذا آخرت میں بھی اس کی اہمیت ہے اس لیے کہ کوئی عبادت بھی اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔ دین نے جو قدروں کا پیمانہ دیا ہے اس میں اسی کو سب سے اہم بات کے طور پر رکھا گیا ہے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریمؐ کے سامنے دو عورتوں کا ذکر کیا گیا اور کہا گیا کہ ایک عورت تو بہت نمازیں پڑھتی ہے، صدقہ دیتی ہے، روزے رکھتی ہے لیکن اس کے پڑوسی اس کی بدزبانی سے تنگ ہیں۔ اس کا کیا انجام ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: ھی فی النار ''یہ جہنم میں جائے گی۔'' ایک دوسری عورت کا ذکر ہوا کہ وہ فرض نمازیں پڑھ لیتی ہے، کچھ پنیر کے ٹکڑے صدقہ کر دیتی ہے، رمضان کے روزے رکھ لیتی ہے اور کوئی خاص عبادات نہیں کرتی۔ لیکن یہ کہ پڑوسی اس کی خوش کلامی اور شیریں بیانی سے بہت خوش ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ھی فی الجنۃ ''یہ جنت میں جائے گی۔''

ایک اور واقعہ احادیث کی کتابوں میں آتا ہے کہ ایک صاحب حضورؐ کی مجلس میں آئے اور اٹھ کر چلے گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کسی کو جنتی کو دیکھنا ہو تو ان کو دیکھ لے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب یہ سنا تو ان کو یہ شوق ہوا کہ وہ جا کر یہ معلوم کریں کہ آخر وہ کیا چیز ہے کہ جو ان کو جنت میں لے جانے والی ہے۔ ان کو جنت میں جانے کا شوق تھا، اس کی تلاش میں رہتے تھے۔ وہ ان کے پاس گئے، کوئی بہانہ کیا اور کہا کہ میری گھر میں لڑائی ہوگئی ہے، ناراضی ہوگئی ہے، اس لیے میں آپ کے پاس کچھ وقت کے لیے رہنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ ٹھیک ہے آپ شوق سے ٹھیر

جائیں۔ انھوں نے دیکھا کہ رات آئی اور پوری رات گزر گئی یہاں تک کہ فجر کا وقت آ گیا۔ انھوں نے کھڑے ہو کر تہجد نہیں پڑھی۔ ان کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ آدمی تہجد بھی نہیں پڑھتا تو یہ جنت میں کیسے جائے گا؟ پھر دن بھر انھیں دیکھتے رہے، ان کے اعمال کا عبادات کے لحاظ سے، تقویٰ کے معیار کے لحاظ سے جائزہ لیتے رہے مگر انھیں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی۔ تیسرے دن انھوں نے ان سے رخصت لی اور کہا کہ میں تو دراصل اس لیے آیا تھا کہ آپ کے بارے میں رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ کسی کو اگر جنتی کو دیکھنا ہو تو انھیں دیکھ لے مگر میں نے تو آپ کے اندر ایسی کوئی خاص بات نہیں پائی۔ اس پر انھوں نے کہا کہ میں جو کچھ بھی ہوں آپ کے سامنے ہوں۔ بس اتنی بات ضرور ہے کہ میرے دل میں کسی مسلمان کے لیے کوئی کینہ اور دشمنی نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہی دراصل وہ وجہ ہے جس کی وجہ سے اللہ کے رسولؐ نے آپ کے بارے میں یہ بشارت دی کہ یہ آدمی جنتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبادات کے درمیان ان چیزوں کا کیا مقام ہے!

بنیادی اصول: ایذا پہنچانے سے گریز

انسان اور انسان کے درمیان، بلکہ یوں کہیے کہ انسان اور ساری مخلوقات کے درمیان، جن میں جانور، پرندے اور درخت سب آ جاتے ہیں، اجتماعی تقویٰ کا بنیادی اصول یہ ہے کہ آدمی دوسرے کو ایذا پہنچانے سے اپنے آپ کو بچائے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ساری شریعت کی بنیاد یہی ہے۔ نکاح اور طلاق کے مسائل ہوں یا وراثت کے احکام، سیاست کے قوانین ہوں یا شریعت کے حدود، سب کا مدار اسی بات پر ہے کہ انسان دوسرے انسان کو ایذا نہ پہنچائے، کسی کو تکلیف نہ دے۔ چھوٹے چھوٹے احکام ہیں کہ آدمی گھر میں جائے تو اجازت لے کر داخل ہو، گھر میں بلا اجازت داخل ہو جاؤ گے تو گھر والوں کو تکلیف ہوگی اور ایذا پہنچے گی۔ تین آدمی کھڑے ہوں تو دو آدمی آپس میں بات نہ کریں۔ اس لیے کہ تیسرے آدمی کو ایذا پہنچے گی اور تکلیف ہوگی۔ اس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ چھوٹے احکام ہوں یا بڑے، ان سب میں بنیادی اصول یہی ہے۔ تمام علما نے حسن اخلاق کی تعریف یہ کی ہے کہ اچھا اخلاق یہ ہے کہ آدمی دوسروں کو اذیت پہنچانے سے

اپنے آپ کو روک لے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے الفاظ میں اگر آدمی صرف دو باتیں اختیار کر لے تو پوری شریعت اس کے اندر آجاتی ہے۔ ایک یہ کہ وہ جو کام کرے خالص اللہ کی رضا کے لیے کرے، اور دوسری بات یہ کہ کسی بندے کو، کسی مخلوق کو اپنی ذات سے ایذا نہ پہنچائے۔ کوئی بات ایسی نہ کہے، کوئی کام ایسا نہ کرے، کوئی معاملہ ایسا نہ ہو جس سے دوسرے انسان کو ایذا پہنچے۔ اگر لوگ صرف ان دو اصولوں کو اپنے زندگی کے اندر اختیار کرلیں تو پوری کی پوری شریعت ان کی گرفت میں آجائے گی۔

سیرت اور احادیث میں بہت سارے واقعات ہیں جن میں نبی کریمؐ نے فرمایا کہ کم سے کم آدمی کو اتنا ضرور کرنا چاہیے کہ نیکی کی راہ سجھائے، دوسروں پر خرچ کرے، غریبوں کی خدمت کرے، کما کر بھی دے اور بھلی بات کہے۔ جب لوگوں نے کہا کہ اگر یہ بھی نہ ہو سکے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ کم سے کم اپنی ذات سے دوسروں کو اذیت پہنچانے سے روک لو۔ یہ تو کم سے کم چیز ہے کہ جس کا آدمی سے مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک بہت بڑی چیز ہے۔ آپؐ نے یہاں تک فرمایا: من اذی مسلماً فقد اذانی و من اذانی فقد اذی اللّٰہ، ''جو آدمی کسی مسلمان کو ایذا پہنچاتا ہے، وہ مجھے تکلیف پہنچاتا ہے اور جس نے مجھے ایذا پہنچائی (رسولؐ کو ایذا پہنچائی) اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی۔'' اس طرح بندے کا معاملہ براہ راست اللہ کے ساتھ متعلق ہو گیا۔ مسلمان کی تعریف یہی کی گئی ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ ہو، اور جس کے ہاتھ میں اپنے معاملات دے کر مسلمان مطمئن ہو کہ معاملہ ٹھیک چلے گا۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ مسلمان پر مسلمان کا خون حرام ہے، اس کی عزت حرام ہے، اور اس کا مال حرام ہے۔ جب حرام میں عزت آگئی، مال آگیا، جسم و جان آگئی تو محرمات کا یہ دائرہ بڑا وسیع ہو گیا، جب کہ ہم نے حرام کا تصور بڑا ہی محدود کر دیا ہے۔ کھانے پینے اور اسی قسم کی چیزوں کو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ حرام ہیں لیکن اللہ کے رسولؐ فرماتے ہیں کہ خون بھی حرام ہے، عزت بھی حرام ہے اور مال بھی حرام ہے۔ یہ دراصل وہ بنیادی اصول ہے جس کے تحت تقویٰ کی صفت پیدا ہوتی ہے۔

ظلم وزیادتی سے اجتناب

تقویٰ کے بہت سارے احکام ہیں، یہاں سب کو سمیٹ کر بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اتنا ہی کافی ہے کہ ایک بنیادی اصول ہاتھ میں آجائے جس کو قرآن وحدیث میں بہت ساری جگہ کبھی واضح طور پر، کبھی بالواسطہ، کبھی اشارے سے، مختلف طریقوں سے واضح کیا گیا ہے۔ غور فرمایئے کہ طلاق یا نکاح کے احکام ہوں، سب معاملات میں اللہ تعالیٰ ہر جگہ یہی بات کر رہا ہے کہ کوئی ایسی بات نہ کرو کہ جس سے بیوی کو یا بیوی سے شوہر کو ایذا پہنچے۔ اسی طرح ورثے کی تقسیم اس طرح نہ کرو جس سے کسی دوسرے کی حق تلفی ہو اور اسے ایذا پہنچے۔ جتنے بھی احکام ہیں، ان کے اندر اصل چیز ضرر کو مٹانا، حق تلفی کو ختم کرنا اور انسانوں کے تعلقات میں ایذا کو ختم کرنا ہے۔ اسی کو دوسرے الفاظ میں ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لہٰذا اجتماعی تقویٰ یہ ہے کہ انسان ظلم اور ایذا سے بچے۔ ظلم کے لفظ کو خاص طور پر بہت وسیع مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔

ظلم کی بہت سی صورتیں ہیں۔ شرک بھی ظلم ہے: اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ○ (لقمان: ۱۳) "بلاشبہہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔" لیکن انسانوں کے درمیان جو ظلم ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ میں نے اپنے اوپر ظلم کرنا حرام کر دیا ہے، تو تم بھی آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ ظلم ایک ایسی چیز ہے جو قیامت کے روز اندھیرا بن جائے گی اور پھر اس سے آدمی کی نجات کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ آپؐ نے جو گورنر بھیجے، جن کو مسلمانوں کے معاملات سپرد کیے، دوسروں کے مال کے حوالے سے، یا سیاست میں، حکومت میں جن کو معاملات پیش آتے رہے، ان کو آپؐ یہ وصیت کرتے رہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو۔ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا کہ ولو کان فاجراً، یعنی اگر مظلوم بہت گناہ گار ہو تب بھی اس کی بددعا ضرور لگے گی۔ اس کے گناہ اس کے ذمے ہیں اور تمھارا ظلم تمھارے ذمے ہے۔ ایک اور جگہ آپؐ نے فرمایا کہ ولو کان کافراً، اور اگر کافر ہو، تب بھی۔ اگر مظلوم ہے تو اس کی بددعا ضرور عرش الٰہی تک جائے گی۔ اس لیے مظلوم کی بددعا سے بچنا۔

جانوروں کے معاملے میں تقویٰ

ظلم کا دائرہ صرف انسانوں تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کو ساری مخلوقات تک وسیع کیا گیا ہے۔ اس طرح مومن کا یہ مزاج بنایا گیا ہے کہ کسی کے ساتھ بھی زیادتی کا نہ سوچے اور نہ زیادتی کرے۔ جانوروں کا ذکر میں اس لیے کر رہا ہوں تاکہ اس بات کا بھی اندازہ ہو جائے کہ اجتماعی تقویٰ کے معاملے میں اسلام کی تعلیم کتنی نازک اور حساس ہے۔ جانور تو بے زبان ہوتے ہیں، لیکن آپؐ نے فرمایا کہ ان جانوروں کے معاملے میں بھی اللہ سے تقویٰ اختیار کرو۔ اگر ذبح بھی کرنا ہو تو کم سے کم تکلیف دو اور تیز چھری سے ذبح کرو۔ ایک آدمی نے ایک جانور کو لٹا دیا اور اس کے بعد اس کے سامنے چھری تیز کرنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کو تم دو موتیں کیوں مارتے ہو؟ ایک تو اس کو مرنا ہے، ذبح ہونا ہے اور دوسرے سامنے چھری تیز ہوتے دیکھ کر اس کا دل سہم جاتا ہے۔ چھری پہلے تیز کرو پھر اس کے بعد جانور کو لٹاؤ۔ ایک عورت کے بارے میں فرمایا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ لیا نہ اس کو کھولتی تھی کہ جا کر وہ کھا پی لیتی اور نہ اسے غذا دیتی تھی۔ وہ مر گئی۔ میں نے معراج کے وقت اس عورت کو دیکھا۔ وہ عورت جہنم میں صرف اس لیے تھی کہ اس نے بلی کو بھوکا باندھ دیا اور وہ مر گئی۔ غرض جانوروں کے بارے میں اور پرندوں کے بارے میں، سب کے متعلق آپؐ نے ہدایات دی ہیں۔ کسی نے چڑیا کے بچوں کو گھونسلے سے اٹھا لیا۔ چڑیا بے قرار پھرنے لگی۔ آپؐ نے کہا کہ ان کو چھوڑ دو اس لیے کہ جانوروں کے بارے میں بھی قصاص ہوگا۔ اس طرف بھی آپؐ نے اشارہ کیا ہے کہ اگر زیادتی ہوگی تو پرندہ کہے گا کہ اس آدمی نے مجھ کو بیکار مارا۔ نہ میں نے کچھ کھایا اور نہ کچھ کہا، اس نے خواہ مخواہ مجھے مار ڈالا۔ اس زمانے میں جانوروں کے مقابلے ہوتے تھے۔ جانوروں کو باندھ کر تیر کے نشانے باندھے جاتے تھے۔ اس سب سے آپؐ نے منع فرما دیا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے کہ جانوروں پر اس طرح کے مظالم ڈھائے جائیں۔

ایک مرتبہ آپؐ ایک انصاری صحابی کے باغ میں گئے تو ایک اونٹ آپؐ کے پاس آیا۔

فاقے کے مارے اس کا پیٹ پیٹھ سے لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آپؐ نے کہا کہ اس نے مجھ سے تمھاری شکایت کی ہے کہ تم اس کو کھانے کو نہیں دیتے ہو اور کام زیادہ لیتے ہو۔ تمھارے جانوروں کا بھی تمھارے اوپر حق ہے۔

پرانے زمانے کے ایک پیغمبر تھے۔ ان کے بارے میں حدیث میں ہے کہ ان کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا۔ انھوں نے چیونٹیوں کے پورے بل کے اندر آگ لگا دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا کہ تم اسی ایک چیونٹی کو مارتے جس نے تمھیں کاٹا تھا۔ ساری چیونٹیوں نے تو کوئی قصور نہیں کیا تھا کہ تم ان کو اس طریقے سے آگ لگاتے۔ (بخاری) لہٰذا بدلہ لینے میں بھی ظلم سے بچنے کی بڑی شدید تاکید قرآن اور احادیث کے اندر موجود ہے۔

غور کیجیے کہ جس شریعت اور دین نے جانوروں، پرندوں، چیونٹیوں وغیرہ کے بارے میں اتنا اہتمام کیا ہے، اس میں انسانوں کا کیا مقام ہوگا!

انسانی جان کا احترام

ایذا اور تکلیف پہنچانے میں جو چیزیں سب سے اہم ہیں، وہ یہ ہیں:

سب سے پہلے انسانی جان کا معاملہ ہے۔ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کردے، قرآن مجید کے الفاظ ہیں متعمداً، تو پھر اس کا بدلہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔ اس کا کوئی مداوا نہیں ہے۔ اس لیے کہ جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کردیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔ (المائدہ:۳۲)

یہ انسانی جان کا احترام ہے لیکن جسم کو تعذیب دینے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ تعذیب کے لیے انگریزی زبان کا جو لفظ آج کل مروج ہے اور حکومتوں اور ریاستوں نے بھی اسے اختیار کر رکھا ہے، وہ 'ٹارچر' ہے۔ اس کی اجازت نہیں ہے کہ کسی لحاظ سے بھی انسان کو ٹارچر کر کے جرم منوایا جائے، اور نہ اس کی اجازت ہے کہ مخالفین پر ٹارچر کیا جائے۔

ایک موقع پر کچھ لوگ دھوپ میں کھڑے تھے کہ ایک صحابیؓ کا وہاں سے گزر ہوا۔ یہ دور خلافت کا واقعہ ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ یہ لوگ دھوپ میں کیوں کھڑے کیے گئے ہیں؟ کہا گیا کہ ان لوگوں نے ٹیکس نہیں ادا کیا ہے۔ اس لیے ان کو دھوپ میں کھڑا کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ میں نے نبی کریمؐ سے سنا ہے کہ جو آدمی بندوں کو عذاب دے تو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دیتا ہے۔ اس لیے تعذیب سے، ٹارچر سے، اور جسم کو کوئی نقصان پہنچانے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ جان کے احترام کی تعریف کے اندر آتا ہے۔ اسی طریقے سے کوئی ایسا مذاق کرنا جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچے، اس کو بھی آپ نے سختی سے منع کیا، مثلاً کسی کے جوتے چھپا دیے یا کسی کا اسلحہ چھپا دیا۔ اگر باہمی تعلقات ایسے ہیں کہ کوئی برا نہیں مانتا تو پھر کوئی ممانعت نہیں۔ لیکن جہاں آدمی اس پر برا مانے، اسے تکلیف پہنچے تو پھر اس سے آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ احادیث میں ایسے بے شمار واقعات ہیں جن میں آپؐ کی تنبیہات ہیں۔ شرارت سے اشارہ کرنا، تلوار سے یا کسی دوسری چیز سے کسی کو ڈرانا، اس سے بھی آپؐ نے کہا کہ مسلمان کو مت ڈراؤ، اس کو خوفزدہ مت کرو۔ یہ سارے احکام دراصل جسم اور جان کی حفاظت کے لیے ہیں کہ مسلمان بھائی کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان کی ہر چیز محفوظ رہے۔ اس کا خون بھی محفوظ رہے، مال بھی اور عزت و آبرو بھی۔

عزت و آبرو کا تحفظ

اس سے اگلی چیز، عزت و آبرو ہے جو ایک دوسرے پر حرام کی گئی ہے۔ عزت انسان کو اپنے خون سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اس کی خاطر آدمی جان بھی دے دیتا ہے۔ مسلمان کی عزت پر کہیں سے بھی کوئی حرف آئے، آدمی کوئی ایسی بات کہے جو غیبت ہو یا تمسخر، بدظنی ہو یا بدگمانی، دوسروں کے عیوب کی نقل کرتے پھرنا ہو یا باہمی تعلقات کو خراب کرنا... اس سب کے بارے میں احادیث کے اندر اتنی شدید وعیدیں اور تنبیہات آئی ہیں جو دیگر اعمال کے بارے میں نہیں آئی ہیں۔ غیبت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ زنا سے بھی بدتر جرم ہے۔ کسی کے پیٹھ پیچھے اس کی برائی کا ذکر کرنا یا ایسی باتوں کا ذکر کرنا جو اس کو ناگوار ہوں، یہ غیبت ہے۔ یہ ہمارے

معاشرے کے اندر بہت عام ہے۔ لوگ سود کھانے کو اور شراب پینے کو تو برا سمجھتے ہیں لیکن مسلمان کا گوشت آرام سے اور مزے لے لے کر کھاتے ہیں، اور اسے برا بھی نہیں سمجھا جاتا۔ چغلی کھانا، ایک کی بات دوسری جگہ پہنچانا، لوگوں کے عیوب ٹٹولنا، یہ بات بڑی کثرت سے پائی جاتی ہے، جب کہ لوگوں کے عیوب پر پردہ ڈالنے کا حکم ہے۔ لوگوں کے عیوب کی پردہ کشائی کرنے اور ان کو ذلیل کرنے سے بڑی سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ کسی کی عزت کو پامال کرنا خواہ جس بھی طریقے سے ہو، گفتگو کے ذریعے سے یا کسی قسم کے اشاروں کے ذریعے سے، منع ہے۔ اشاروں سے لوگوں کی تحقیر کرنے کی مذمت قرآن مجید نے خود بار بار کی ہے: وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۣ ۝ (الھمزہ ۱:۱) ''تباہی ہے ہر اس شخص کے لیے جو (منہ درمنہ) لوگوں پر طعن اور (پیٹھ پیچھے) برائیاں کرنے کا خوگر ہے۔'' اس کی اجازت نہیں ہے۔ تحقیر کرنے کے بارے میں تو یہ فرمایا گیا ہے کہ آدمی کے برا ہونے کے لیے یہ بات بالکل کافی ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو حقیر سمجھے، یا اس کو کہیں پر ذلیل کرے۔ چنانچہ مسلم کی مشہور حدیث ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس پر ظلم نہ کرے، اس کو بے یارو مددگار نہ چھوڑے۔ اس کو کہیں ذلیل نہ کرے، اور اس کو اپنے سے حقیر نہ سمجھے۔ اسی کے اندر وہ جملہ ہے کہ التقویٰ ھھنا ''تقویٰ اس جگہ ہے۔'' جو آدمی کسی مسلمان کو دل میں حقیر سمجھے، اس دل میں تقویٰ نہیں ہوسکتا۔ تقویٰ کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ آدمی مسلمان کی عزت کرے اور مسلمان کے ساتھ تکریم کا برتاؤ کرے۔

مال و دولت کی حرمت

اس کے بعد پھر تیسری چیز مال کی حرمت ہے۔ کسی بھی مسلمان کا مال کسی دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ جہاں رمضان میں روزے رکھنے کا حکم دیا گیا کہ آدمی صبح سے شام تک کھانے پینے سے رک جائے اور صرف رات میں سورج ڈوبنے سے لے کر فجر تک کھائے، اس کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

وَ لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ وَ تُدۡلُوۡا بِهَاۤ اِلَى الۡحُكَّامِ

لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○

(البقرہ:۱۸۸)

''اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقہ سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لیے پیش کرو کہ تمھیں دوسرے کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے۔''

روزہ جو کہ دن کے اوقات میں حلال چیزوں سے بھی روک دیتا ہے، اسی بات کا ذریعہ ہے کہ اس سے تقویٰ پیدا ہو۔ اس کا فطری تقاضا ہے کہ غلط طریقوں سے ایک دوسرے کا مال نہ کھایا جائے۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ہے کہ جو آدمی جھوٹی قسم کھا کر کسی دوسرے آدمی کی کوئی چیز ہتھیا لیتا ہے، اس کے اوپر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کردی اور جہنم واجب کردی۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ اگرچہ وہ بہت ہی حقیر سی چیز ہو۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں، خواہ وہ درخت کی ایک شاخ یا ٹہنی کے برابر ہی ہو۔ اسی طرح فرمایا کہ اگر کسی نے جھوٹی قسم کھائی، کسی کا حق مارلیا، کوئی زمین ہتھیالی، تو وہ زمین آگ کا طوق بنا کر اس کی گردن میں ڈال دی جائے گی۔ گویا جو مال آدمی کا اپنا نہیں ہے، کسی دوسرے کا مال ہے، اس کو کھانا، اس کو حاصل کرنا ناجائز ہے۔ یہ بھی اجتماعی تقویٰ کا ایک حصہ ہے۔

اسی طرح سے باہمی تعلقات کے اندر قدم قدم پر تقویٰ کی تاکید ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اللہ کے کوئی بھی احکام ایسے نہیں ہیں جو تقویٰ کے حدود سے باہر جاتے ہوں یا جن پر آدمی تقویٰ کے بغیر عمل کرسکتا ہو۔ اگر سورۃ البقرہ کی تلاوت کی جائے اور مطالعہ کیا جائے جس میں معاشرتی زندگی اور خاندانی زندگی کے احکام دیے گئے ہیں تو اس میں ہر حکم کے بعد اس قسم کی آیت ملے گی کہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ، اللہ سے ڈرو، تم کو اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اس کا عذاب بڑا سخت ہے، وہ سن رہا ہے، وہ دیکھ رہا ہے، یا یہ کہ وہ تمھارے ساتھ ہے، لیکن واتقوا اللّٰہ اس لیے کہ یہی تقویٰ کی اصل جانچ اور پرکھ ہے کہ آدمی معاملات کے اندر، خاندان کے اندر جو زیردست ہیں، یعنی بیوی

بچے، ملازم اور غلام، ان کے بارے میں انصاف کی روش پر قائم رہے اور حقوق میں اس کی پابندی کرے۔

یتیموں کے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے۔ یتیم کیا ہے؟ یتیم بے سہارا ہے، وہ اپنا دفاع نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ جو یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ مسلمان بھائی اگر اپنے کسی عمل کا عذر پیش کریں تو اس عذر کو قبول کرنا بھی ضروری ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ہر پیر اور جمعرات کو لوگوں کے اعمال اللہ کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ لیکن جس نے شرک کیا ہو یا جس کے دل میں کسی مسلمان کے لیے کینہ اور دشمنی ہو، ان کے تعلقات خراب ہوں تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ان کا معاملہ مؤخر کر دو۔ ان کے باقی اعمال کے بارے میں بھی فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

وعدہ کر کے اور امان دے کر کسی کو نقصان پہنچانا بھی جائز نہیں۔ یہاں تک کہ حکومتوں اور حکمرانوں کے لیے بھی آپؐ نے اس بات کو جائز نہیں قرار دیا کہ لوگوں کو کوئی فریب دے کر اپنے قابو میں لے آئیں خواہ دشمن ہوں یا مخالف یا کافر۔ بدعہدی کرنے اور ان کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اس سے بری ہوں کہ جو آدمی کسی کو امان اور پناہ دینے کے بعد اس کو نقصان پہنچائے۔ پھر اسی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں اگرچہ وہ کافر ہو، یعنی کافر کے ساتھ بھی یہ سلوک جائز نہیں ہے کہ اس کے ساتھ جھوٹا وعدہ کر کے اور کوئی فریب دے کر اس کو اپنے قابو میں کر لیا جائے اور اس کے بعد پھر اس کو تکلیف پہنچائی جائے۔

باہمی تعلقات میں تقویٰ کے دو بنیادی اصول ہیں۔ ایک اصول ہے عدل اور دوسرا پاس عہد۔ ان کو اگر آدمی اختیار کرے تو اجتماعی تقویٰ جو باہمی تعلقات کا نام ہے، اس کا سارے کا سارا دائرہ اس کے اندر سمٹ کر آجاتا ہے۔ عدل کے لیے حکم دیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ

(المائدہ:۸)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خداترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔''

یہاں کفارقریش کا ذکر تھا جنھوں نے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے، گھروں سے نکالا، جنگ کے لیے اُمڈ کر آئے۔ حج اور عمرے کا راستہ بند کردیا۔ مسلمان وطن واپس نہیں جاسکتے تھے۔ اس سب کے باوجود یہ کہا گیا ہے کہ دیکھو یہ کام تمھیں اس پر مجبور نہ کردے کہ تم بھی انھی کی طرح کا برتاؤ ان کے ساتھ کرنے لگو۔ مکہ سے ۱۳ سال مظالم برداشت کرکے مدینہ آئے، جنگ کی اجازت ملی تو فرمایا:

وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ○ (البقرہ:۱۹۰)

''اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

یہ عدل کا حکم تھا اور ہر معاملے میں عدل کرنے کا حکم تھا۔ مسلمان اور پوری امت مسلمہ بنائی ہی اس لیے گئی ہے کہ وہ ہر معاملے میں عدل کے اوپر گواہ بن کر کھڑی ہو اور یہی تقویٰ کا راستہ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَ اِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○

(النساء:۱۳۵)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علَم بردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمھارے انصاف اور تمھاری گواہی کی زد خود تمھاری اپنی ذات پر یا تمھارے والدین

اور رشتے داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مال دار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔ اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔"

دوسری چیز پاسِ عہد ہے کہ جو بات منہ سے نکل جائے اس کی پابندی ضروری ہے۔ کہیں بھی آدمی عہد کرے، دوسرے انسان سے وعدہ کرے تو اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی امانت سپرد کی جائے اور اس کی حفاظت کرنا اور لوٹانا اپنے ذمہ لے تو پابندی ضروری ہے، اس لیے کہ یہ بھی عہد ہے۔

اجتماعی زندگی کے تقاضے

تقویٰ اور اجتماعی تقویٰ کا یہ دائرہ انسان کے درمیان معاملات کا ہے۔ دوسرا دائرہ اجتماعی زندگی سے متعلق ہے۔ اس دائرے میں خاندان کا ادارہ بھی شامل ہے، اور مسلمان معاشرے میں جو تنظیمیں اور ادارے بنائے گئے ہیں، جو امت کے اندر موجود ہیں اور سب سے بڑھ کر حکومت اور ریاست کا ادارہ ہے، ان سب کے بارے میں بہت واضح کر کے یہ بات بتائی گئی ہے کہ اصل میں ان سب کا مدار اس تقویٰ پر ہے جو ایک انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ برتتا ہے۔ چنانچہ اگر ریاست کی مثال کو سامنے رکھا جائے تو حکمرانوں کے بارے میں بھی یہی بات کہی گئی کہ حکمراں کا یہ فرض ہے کہ لوگوں کے ساتھ انصاف کرے، اور جو حکمراں جھوٹ بولتا ہے یا بدعہدی کرتا ہے اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ حکمران سیدھا جہنم میں جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ بغیر کسی حساب کے آگ میں ڈال دے گا، یعنی ان کے اعمال لازماً ایسے ہوں گے کہ کسی حساب کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ان میں سے ایک امام کاذب ہے، یعنی لوگوں کا وہ قائد جو جھوٹ بولتا ہے۔ اسی طرح جو آدمی مسلمانوں کے کسی کام کا ذمہ دار بنایا جائے اور اس کے بعد وہ اس کام میں لوگوں کو دھوکا اور فریب دے اور ان کے ساتھ معاملہ ٹھیک نہ کرے، ان کے بارے میں فرمایا کہ فلیس منا، یعنی وہ ہم

میں سے نہیں ہے اور یہ بھی تقویٰ کے خلاف ہے۔ مال و دولت اگر عوام کا ہے تو وہ ایک امانت ہے، اس کے بارے میں یہ ہے کہ اگر کسی نے ایک رسی اور ایک چادر یا عبا بھی اس میں سے خیانت کر لی تو یہ اس کو جہنم میں لے جائے گی۔ یہ مال کے بارے میں اور لوگوں کے حقوق کے بارے میں احتیاطیں ہیں اور حکومت کے عہدے داروں کے لیے بھی۔ اس میں یہ تخصیص نہیں ہے کہ جو آدمی حکومت کے منصب پر فائز ہو بلکہ فرمایا: من ولی من امر المسلمین، "جس کو مسلمانوں کے کسی کام کی ذمہ داری سپرد کر دی گئی۔" ان سب پر تقویٰ کے یہ حدود لازم آتے ہیں۔

پیچھے چلنے والوں کا آگے چلنے والوں سے جو تعلق ہے، اس کے بارے میں بھی احکام واضح طور پر بیان کیے گئے ہیں اور ہدایات دی گئی ہیں۔ سورۂ حجرات کے درمیان کا حصہ مسلمان اور مسلمان کے باہمی تعلقات کے بارے میں ہے، اور شروع کا حصہ مسلمانوں کا اپنے رسول سے تعلق کے بارے میں ہے۔ امت میں سے کوئی آدمی وہ مقام تو حاصل نہیں کر سکتا جو اللہ کے رسولؐ کو حاصل تھا لیکن جو افراد قیادت کر رہے ہوں، ایک درجے میں ان کے حوالے سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ جو لوگ بھی آگے چلنے والے ہوں، ان سے اپنی بات منوانے پر ضد کرنا، اپنی بات پر مصر ہونا، اپنی بات پر اڑ جانا اور یہ کوشش کرنا کہ ہماری بات ہی مانی جائے، اسی کے لیے آدمی اپنی آواز اونچی کرتا ہے، لڑتا بھڑتا ہے، اگرچہ یہ بے ادبی رسول اللہؐ کی شان میں بے ادبی تھی، لیکن جو مرض تھا وہ دراصل ان اجڈ گنوار سرداروں کا تھا جو صحیح معنوں میں ایمان تو نہیں لائے تھے لیکن اسلام کا غلبہ دیکھ کر مومن ہو گئے تھے اور اب یہ چاہتے تھے کہ ان کی بات سنی جائے، ان کا مشورہ مانا جائے، ان کو مجلسوں کے اندر برتری دی جائے، انھیں پہلے بلایا جائے تو اس سب کے بارے میں سورۂ حجرات کے شروع میں کہا گیا ہے کہ وَاتَّقُوا اللّٰہَ "اللہ سے تقویٰ اختیار کرو۔" اس کے بعد یہ واضح کیا گیا کہ متقی تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے اپنے آپ کو آگے نہیں بڑھاتے، مقدم نہیں کرتے، ان کے مقابلے میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، بات سلیقے سے کرتے ہیں، بات سننے کے لیے بھی تیار ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں فرمایا:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی ط (الحجرات: ۳)

"ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے آزما لیا ہے۔"

زیادتی پر بدلہ

اجتماعی تقویٰ کے یہ مختلف پہلو میں نے آپ کے سامنے رکھے ہیں۔ سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ انسان اور انسان کے درمیان تعلق پر گفتگو کی گئی ہے۔ پھر اجتماعیت کے بارے میں کچھ اشارات آپ کے سامنے رکھے گئے ہیں۔ اس کے اندر جو اصل بات تھی جو میں نے شروع میں کہی تھی، وہ یہ تھی کہ کسی قسم کی بھی ایسی ایذا پہنچانا جس کی کوئی گنجائش شریعت میں دین کے کسی واضح حکم کے تحت نہ نکلتی ہو، اس کی کوئی گنجایش تقویٰ کے ساتھ نہیں ہے۔ بدلہ لینے کی اجازت ہے۔ مگر جب بدلہ لینے کی نیت ہوتی ہے اور بدلہ لینے کا جذبہ غالب ہوتا ہے تو آدمی زیادتی کر جاتا ہے۔ اس کے بارے میں بھی واضح ہدایات ہیں کہ اگر آدمی بدلہ بھی لے تو اتنا ہی لے جتنی کہ اس کے اوپر زیادتی کی گئی ہو۔ قرآن مجید میں خود یہ بات واضح کی گئی ہے کہ جس پر زیادتی کی گئی ہے اس کو بدلہ لینے کا حق ہے لیکن اتنا ہی حق ہے جتنی اس کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے۔ اگر کہیں وہ بڑھ گیا تو پھر اس کے اوپر اپنے عمل کا وبال آجائے گا۔ اس لیے بہتر یہ ہے آدمی معاف کردے اور اصلاح کرے، صلح کرلے: فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ (الشوریٰ: ۴۰) ''پھر جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔'' یہ اس سے بہتر ہے کہ آدمی بدلہ لے کیونکہ بدلہ لینے میں کوئی ضمانت نہیں ہے کہ انسان اتنا ہی بدلہ لے گا جتنا کہ اس کے اوپر کی ہوئی زیادتی یا ظلم کا ہونا چاہیے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک صاحب حضورؐ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ حضورؐ میرے بہت سارے خادم، نوکر اور غلام ہیں۔ وہ میرا کام کرتے ہیں لیکن مجھے جھوٹا بھی بناتے ہیں، کام چوری بھی کرتے ہیں، کام پورا نہیں کرتے، مال بھی چراتے ہیں اور میری نافرمانی بھی کرتے ہیں۔ میرے اور ان کے درمیان معاملہ کس طرح طے ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: دیکھو تمھارے جو اعمال ہیں، تم نے ان کو جو سزا دی، ان کو برا بھلا کہا، وہ ایک طرف رکھے جائیں گے، اور انھوں نے جو تمھارے ساتھ زیادتیاں کی ہیں وہ دوسری طرف رکھی جائیں گی۔ اگر دونوں

برابر ہیں تو تم چھوٹ جاؤ گے لیکن اگر تم نے بدلے میں زیادتی کی ہوگی تو پھر جتنی بھی زیادتی کی ہوگی تم سے اس کا قصاص لیا جائے گا اور تمھیں اس کا بدلہ دینا پڑے گا۔ یہ سن کر وہ صاحب دور جا کر بیٹھ گئے اور رونے دھونے لگے کہ میں تو تباہ و برباد ہوگیا۔ پھر حضورؐ نے ان کو بلایا اور کہا کہ تم نے قرآن مجید میں یہ آیت نہیں پڑھی کہ:

وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ○ (الانبیاء: ۴۷)

''قیامت کے روز ہم ٹھیک تولنے والے ترازو رکھ دیں گے، پھر کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ جس کا رائی کے دانے برابر بھی کچھ کیا دھرا ہوگا وہ ہم سامنے لے آئیں گے اور حساب لگانے کے لیے ہم کافی ہیں۔''

اس پر انھوں نے کہا کہ حضور اب اس کے بعد تو اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے کہ میں ان سب کو معاف کر دوں اور ان سب کو آزاد کر دوں۔ چنانچہ آج میں نے ان سب کو آزاد کر دیا۔

بدلہ لینے کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اگر ایک کوڑا بھی زیادہ مارا جائے گا تو اس کوڑے کا قصاص اور بدلہ انسان سے لیا جائے گا۔ بدلہ لینے میں جو جذبہ پنہاں ہے وہ آدمی کو کبھی غیبت پر آمادہ کرتا ہے، کبھی زیادتی پر آمادہ کرتا ہے، وہ اسے حسد میں مبتلا کر دیتا ہے کہ مجھے یہ نقصان پہنچا، میری عزت پر یہ حرف آیا، اس نے میرا یہ حق مار لیا، اس نے میرے اوپر یہ ظلم کیا اور اس طرح غیظ و غضب میں اور غصے و انتقام کے جذبے میں آدمی حق سے نکل جاتا ہے۔ خواہ مال کی حرص میں آدمی دوسرے کے حقوق مارے یا انتقام یا بدلہ لینے کی نیت سے اقدام کرے، یہ انسان اور انسان کے درمیان تعلقات کا سب سے نازک معاملہ ہے۔ بہت ساری احادیث سے اس بات کو واضح کیا جاچکا ہے کہ عبادات سے زیادہ یہ چیز اہم ہے کہ انسان کسی دوسرے انسان پر زیادتی نہ کرے اور اسے اذیت نہ پہنچائے اور یہی انسان کا امتحان ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کے خوف سے آپس میں صلح و صفائی سے رہیں۔

ایمان اور تقویٰ کی روش

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے اس بات کا اعلان کیا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا تھا کہ کیا آپ کوئی ایسی مخلوق بنا رہے ہیں جو خون بہائے گی اور زمین میں فساد مچائے گی، جب کہ تسبیح و تقدیس کا کام تو ہم کر ہی رہے ہیں۔ سجدہ اور رکوع کوئی ایسا کام نہیں جس کے کرنے والے موجود نہ ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آسمان پر کوئی چار انچ کی جگہ بھی خالی نہیں ہے جہاں پر کوئی فرشتہ رکوع میں نہ ہو، سجدے میں نہ ہو، قیام میں نہ ہو، تسبیح نہ کر رہا ہو، حمد نہ کر رہا ہو، یا تکبیر نہ پڑھ رہا ہو۔ دراصل اللہ نے خلیفہ تو اس لیے بنایا تھا کہ وہ اللہ کی خلافت کی ذمے داری سنبھال کر یہاں پر عدل قائم کرے اور فساد سے بچائے۔ انسان، انسان کا خون نہ بہائے، اس کی عزت پر حملہ نہ کرے، اس کے مال کو غصب نہ کرے۔ یہی دراصل، اصل امتحان ہے اور یہی انسان سے مقصود ہے، اور اسی سے تقویٰ کا وہ دائرہ بنتا ہے جو پوری زندگی کے اوپر حاوی ہے۔ اگر یہ دائرہ ہاتھ سے چھوٹ جائے، اس میں کوتاہی ہو، تو پھر عبادات اس کا مداوا نہیں کرسکتیں بلکہ پوری عبادات آدمی سے چھینی جاسکتی ہیں۔ اگر یہی ایک بات آدمی کو یاد رہے کہ ہر مظلوم اٹھ کر کھڑا ہو جائے گا اور جس ظلم کے لیے میرے پاس کوئی معقول توجیہہ نہیں ہوگی اس پر مجھے سزا دی جائے گی تو یہ بہت ساری برائیوں کے ارتکاب سے اسے روک سکتی ہے۔

ایک دفعہ امام ابوحنیفہؒ سے کسی نے کہا کہ فلاں آدمی نے آپ کی غیبت یا برائی کی ہے تو انھوں نے اس کو ایک طشت میں کھجوریں تحفے کے طور پر بھجوائیں اور اس سے کہا کہ آج تم نے اپنی بہت ساری نیکیاں میرے حوالے کردی ہیں۔ میں اس کا کوئی بدلہ تو نہیں دے سکتا البتہ یہ کچھ کھجوریں تحفے کے طور پر تمھیں بھجوا رہا ہوں۔

پس جو آدمی بھی زیادتی کرتا ہے دراصل اپنی نیکیوں سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، اس کے اعمال نامے میں سے نیکیاں کم ہوتی جاتی ہیں۔ دوسری طرف دنیا کی زندگی بھی فساد اور بےچینی کا شکار ہوتی ہے اور دل بھی جلتا ہے، کبھی حسد کی آگ میں، کبھی انتقام کی آگ میں، اور کبھی

بے اطمینانی کی آگ میں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ حسد اور کینہ ایسی چیزیں ہیں جو نیکیوں کو کھا جاتی ہیں۔ اس لیے کہ ان سے جو آگ بھڑک اٹھتی ہے، یعنی انتقام اور جسد کی آگ، اور دوسرے سے بدلہ لینے کی آگ ان کی بنیاد پر آدمی وہ کام کرگزرتا ہے جو اس کی ساری نیکیوں کو غارت کردیتا ہے، اور جلا کر بھسم کردیتا ہے۔ یہی وہ بیماریاں ہیں جو نیکیوں کو آگ کی طرح کھالیتی ہیں۔ ایک بار جب تعلقات کے اندر فساد پیدا ہوجائے تو اس کے بارے میں نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ یہ فساد استرے کی طرح ہے، اور یہ ایسا استرا ہے جو سر کے بال ہی نہیں صاف کرتا بلکہ یہ پورے دین کو مونڈ ڈالتا ہے۔

خدا کے انعامات اور بشارتوں کا سبب

اجتماعی تقویٰ کا یہ وہ پہلو ہے کہ جو ہر وقت نگاہوں کے سامنے رہنا چاہیے اور جس کی فکر کرنا چاہیے، اس لیے کہ نماز، روزہ اور مختلف عبادات اس وقت تک کام نہیں آتیں جب تک کہ تقویٰ کا یہ کردار تشکیل نہ پائے۔ یہی تقویٰ ساری خوبیوں اور بھلائیوں کا ماحصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں اپنی ساری بشارتیں اور سارے انعامات تقویٰ کے ساتھ وابستہ کیے ہیں۔ وہ قومیں زمین اور آسمان کی ساری کی ساری برکات سے مالا مال ہوں گی جو تقویٰ کی روش اختیار کریں۔ ''اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرتے تو ہم ان کے اوپر آسمانوں سے بھی اور زمین سے بھی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔'' (اعراف:۹۶) اور جہاں تک آخرت کا معاملہ ہے تو بار بار کہا گیا ہے کہ جنت تو ہم نے بنائی ہی متقین کے لیے ہے: اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ o (اٰل عمران: ۱۳۳) ''یہ جنت متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔'' اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِیْمٍ o (الطور: ۱۷) ''متقی لوگ وہاں باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔'' یہ جنت انھی کی وراثت ہے جو تقویٰ کی روش اختیار کریں۔

تقویٰ کا مفہوم آپ کے سامنے ہے۔ اصل میں تو یہ دل کی دھڑکن، دل کا یہ اندیشہ اور خوف ہے کہ کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکلے اور کوئی ایسا کام سرزد نہ ہوجائے جو اللہ کو ناراض کرنے

والا ہو۔ پھر یہ احساس ہے کہ اللہ کو ناراض کرنے والے کاموں میں سے وہ کون سے کام ہیں جو اس کو زیادہ ناراض کرنے والے اور زیادہ غضب میں لانے والے ہیں۔ یہ بات بھی جاننا چاہیے کہ دراصل جو چیزیں حرام کی گئی ہیں وہ صرف کھانے پینے، اوڑھنے بچھونے کی حد تک نہیں ہیں بلکہ انسانی معاملات اور تعلقات میں بھی اللہ تعالیٰ نے بے شمار چیزیں حرام کی ہیں اور بے شمار چیزیں فرائض میں داخل کی ہیں۔ جو آدمی عبادات میں، اور کھانے پینے میں تو حلال وحرام کی پابندی کرتا ہے لیکن معاملات میں حلال وحرام کی پروانہیں کرتا، تو وہ بھی اسی طرح گناہ گار ہوتا ہے، جس طرح نماز چھوڑنے والا یا کوئی سود کھانے والا یا شراب پینے والا گناہ گار ہوتا ہے۔ درحقیقت مومن کے ضمیر کو تو ایک ترازو کی مانند ہونا چاہیے کہ اگر ذرا سا بال برابر بھی کوئی وزن بڑھ جائے، کسی پر ظلم کا، کسی پر زیادتی کا، کسی حق کے ادا کرنے میں کوتاہی کا، تو ترازو فوراً جھک جائے اور اس کے ضمیر میں خلش پیدا ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ۝ۚ (اعراف:۲۰۱)

''حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر انھیں چھو بھی جاتا ہے تو فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انھیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لیے صحیح طریق کار کیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!
